© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

اس ملک میں امن و امان کی صورتِ حال جس تشویشناک رفتار سے بگڑ رہی ہے اُس سے امن پسند شہری سخت ہراساں اور پریشاں ہیں اور وہ بڑی مایوسی کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ آخر اس خوفناک آغاز کا انجام کیا ہوگا۔ یہ صورتِ حال اور بھی سنگین ہو جاتی ہے جب اس ملک کا شہری یہ سوچتا ہے کہ یہ ساری امن سوز حرکات مارشل لا کے عین زیرِ سایہ ہو رہی ہیں اور مارشل لا کا آہنی پنجہ انہیں اپنی گرفت میں لینے سے عاجز ہے۔

ہم نے جنرل یحییٰ خاں کی غیر جانبداری کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور جمہوریت کی بحالی کے بارے میں ان کے عزائم کو ہمیشہ سراہا ہے۔ مگر ہم آج بڑے دُکھ کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کی حکومت جس نوعیت کی غیر جانبداری اختیار کیے ہوئے ہے اس سے ایک طرف تو عدل و انصاف کے تقاضے بُری طرح مجروح ہو رہے ہیں اور دوسری طرف ملک کے اندر بدامنی بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ جمہوریت کی بحالی کے لیے انتخابات کا اہتمام جو حکومت کر رہی ہو اس کا سیاسی پارٹیوں کے معاملہ میں غیر جانبدار رہنا بڑا قابلِ ستائش طرزِ عمل ہے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ ظالم اور مظلوم، امن پسند اور تخریب پسند، شریف اور شریر کو ایک درجہ میں رکھا جائے۔ ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے اور ان کے مابین بالکل خاموش تماشائی کا سا رویہ اختیار کر لیا جائے۔ جنرل یحییٰ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ظالم اور مظلوم کے درمیان غیر جانبداری اس چیز کا نام نہیں ہے کہ ظالم کو ظلم کرنے اور مظلوم کو ظلم سہنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، نہ ظالم کا ہاتھ روکا جائے اور نہ مظلوم کو ظلم سے بچایا جائے۔ نبی اکرم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا کہ حضورؐ مظلوم کی مدد کا معاملہ تو سمجھ میں آسکتا ہے مگر ظالم کی مدد سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ ظلم سے اس کا ہاتھ روکا جائے۔

عدل کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ مظلوم کو نہ صرف ظالم کی چیرہ دستیوں سے بچایا جائے بلکہ ظالم کا غرورِ طاقت اِس طرح توڑ دیا جائے کہ وہ ایک مہذب معاشرے میں کسی پر ظلم کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت سنبھالتے وقت اس کی نازک ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلا جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں صاف طور پر کہا تھا کہ میرے نزدیک تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلوا دوں، اور تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ مَیں اس سے حق وصول کر لوں "

عوام کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت و پاسبانی حکومت کے اوّلین اور بنیادی فرائض میں سب سے اہم فرض ہے اور جو حکومت اس فرض کو کما حقہٗ انجام نہیں دیتی یا اس سے غفلت برتتی ہے اُسے مسندِ اقتدار پر متمکن رہنے کا کوئی حق نہیں۔ حکومت کے قیام کے بارے میں جتنے نظریے بھی آج تک سامنے آئے ہیں ان کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی معاشرے میں حکومت جیسی قوتِ قاہرہ کے وجود کا بنیادی جواز یہی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے اجتماعی زندگی میں امن و امان قائم کرے اور اپنے دائرۂ اقتدار میں ایسے حالات پیدا کرے جن میں لوگ اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور اپنے انسانی حقوق کے معاملے میں اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھیں۔ حکومت کے باقی فرائض بعد میں آتے ہیں۔ جو حکومت اس اساسی فرض سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی وہ آخر دوسرے فرائض کس طرح سرانجام دے سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک میں امن و امان کا قیام یُوں تو ہر حال میں ضروری ہے مگر پاکستان میں اس وقت جبکہ اس کے باشندوں کو ایک نہایت نازک اور فیصلہ کُن مرحلہ درپیش ہے، پُرامن ماحول کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔ ایک مختصر سا گروہ جو ووٹ کے ذریعے اپنی کامیابی کے امکانات معدوم سمجھتا ہے، ملک میں افراتفری پھیلا کر تختِ اقتدار پر متمکن ہونے کا شدید آرزومند نظر آتا ہے۔ وہ رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے صبر آزما مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتا بلکہ عوام کے سروں کو روند کر تختِ شاہی پر براجمان ہونے کا متمنّی ہے اور اس وجہ سے وہ تشدّد کی کھلے طور پر تعلیم دیتا ہے۔

اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ جہاں جہاں بھی موجود ہیں انہوں نے شریف شہریوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ گالم گلوچ، بدزبانی، اشتعال انگیزی، اتہام تراشی، مارپیٹ، مخالف جماعتوں کے جلسوں میں غنڈہ گردی، حتیٰ کہ مخالف لوگوں کے گھروں پر چڑھائی اس گروہ کے دل پسند مشاغل بن گئے ہیں۔ یہ لوگ بالکل علانیہ اپنے مخالفین کو غلیظ گالیاں دیتے ہیں اور انہیں بغیر کسی وجہ کے تشدّد کا نشانہ بناتے ہیں۔ غریب عوام ان کے ہاتھوں سخت ستائے جا رہے ہیں۔ مگر وہ قانون ہاتھ میں لینے سے گریز کرتے ہیں۔ اور جب ان تشدّد پسندوں کی غنڈہ گردی کے خلاف قانون کے محافظوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو اوّل تو کوئی شنوائی ہی نہیں ہوتی اور اگر کہیں ہوتی بھی ہے تو اس کا ردِّ عمل بھی عجیب و غریب ہوتا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ ان تشدّد پسند عناصر کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی کی جائے مگر اس کے بجائے عملاً ہوتا یہ ہے کہ جتنی تعداد میں یہ عناصر گرفت میں لائے جاتے ہیں اُتنی ہی تعداد میں (شاید وزن برابر کرنے کے لیے) وہ شریف اور امن پسند شہری بھی جو ان ظالموں کے خلاف فریادی بن کر حکّام کے پاس جاتے ہیں مُفت میں دھر لیے جاتے ہیں اور اُنہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے اربابِ حکومت اپنے اس غیر منصفانہ طرزِ عمل سے عوام کو اپنے غیر جانبدار ہونے کا تاثر دینا چاہتے ہوں، مگر ہم انہیں صاف طور پر یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ محض اُن کی خام خیالی ہے کیونکہ ان کی اس روش کو ملک میں کوئی معقول آدمی غیر جانبداری نہیں سمجھ رہا ہے اور الٹا یہ تاثر قائم ہو رہا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تشدد پسند عناصر کی ہمت افزائی ہے ۔ آخر غیر جانبداری کی یہ کونسی قسم ہے کہ ظالم اور سفاک کے ساتھ مظلوموں اور زیردستوں کو بھی گرفت میں لے لیا جائے تاکہ آئندہ وہ حکام سے اس ظلم کے خلاف فریاد کرنے کی بھی جرأت نہ کریں ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کیسی غیر جانبداری ہے کہ جو عناصر کھلم کھلا تشدد، گھیراؤ، "پرچی کی جگہ برچھی" اور "ووٹ کے بجائے چوٹ" کا اعلان کر رہے ہوں اور علانیہ انتخاب کے بجائے تشدد پسندانہ انقلاب کو ملک کے مسائل کا حل قرار دے رہے ہوں، ان سے کوئی باز پرس تک نہ کی جائے ۔

اس قسم کی غیر جانبداری ظلم اور فساد کو پھیلانے میں بالواسطہ ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے ۔ اور اس سے شر پسند عناصر کو تخریبی کارروائیاں کرنے کے لیے شہ مل رہی ہے ۔ یہ سب کچھ خواہ کسی مصلحت سے کیا جا رہا ہو، بہرحال یہ نامناسب اور غیر منصفانہ بھی ہے اور اس سے عام ذہنوں میں اس طرح کے شکوک پیدا ہونے کو بھی نہیں روکا جا سکتا کہ حکومت اقتدار کی باگیں عوام کی طرف منتقل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے ۔ اسی لیے اس نے تخریب پسند عناصر کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ انتخابات سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیں کہ انتخابات منعقد نہ کرائے جا سکیں یا اگر وہ کرائے بھی جائیں تو عوام اپنی مرضی سے اپنے نمائندے منتخب نہ کر سکیں اور وہ خوف و ہراس کے عالم میں آمریت کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈالنے کے لیے تیار ہو جائیں ۔

جنرل یحییٰ صاحب نے جہاں عوام کو جمہوریت کی بحالی کا مژدۂ جانفزا سنایا ہے وہاں اُن کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اس کے لیے سازگار ماحول بھی پیدا کریں ۔ اس ماحول کے بغیر یہ مژدہ، مژدہ نہیں بلکہ حسرت اور ناکامی کا دل سوز بلکہ دردناک پیغام ہوگا ۔

اس ضمن میں ہم یہ بات عرض کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی جلسے میں گڑبڑ مچانے کے سلسلے میں چند افراد کو زیرِ حراست لے لینے سے امن پسندانہ ماحول پیدا نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لیے بعض مؤثر تدابیر کی ضرورت ہے ۔

© rasailojaraid.com

سب سے پہلے اُن بے لگام خطیبوں اور صحافیوں اور راویوں پر پابندی لگانی چاہیے جو زبان اور قلم کے استعمال کے معاملے میں بالکل مطلق العنان ہو گئے ہیں، فریقِ مخالف کے بارے میں جو جی میں آتا ہے کہہ اور لکھ جاتے ہیں اور بالکل نہیں سوچتے کہ وہ زبان اور قلم سے جو زہر اُگل رہے ہیں اس سے عوام کے اندر کس قسم کا اشتعال پیدا ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک کی بیشتر آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ایک مسلمان کو فطری طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیت سے والہانہ محبت اور عقیدت ہوتی ہے اور یہ چیز ان کے ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ جس دل کے اندر ان عظیم اور قابلِ احترام ہستیوں کے لیے ادب و احترام کے جذبات موجود نہیں وہ دل نورِ ایمان سے خالی ہے۔ ایک مسلمان خواہ عملی اعتبار سے کتنا ہی پست ہو مگر ان مقدس نفوس کے بارے میں بڑے نازک جذبات رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے خلاف عوام کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لیے اس کی طرف صرف یہ بات منسوب کر دینا کافی ہے کہ وہ ان بزرگ و برتر ہستیوں کی توہین کا مرتکب ہوا ہے۔ صرف اتنی بات زبان سے کہہ دینے سے اس فرد یا گروہ کو گردن زدنی قرار دیا جا سکتا ہے اور عوام کو اس کے قتل پر ابھارا جا سکتا ہے۔ ہمارے اس ملک میں خواندگی کا تناسب ہی کیا ہے اور خواندہ لوگوں میں بھی کتنے لوگ اس بات کا شعور اور اس ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں کہ کسی شخص کے خلاف کوئی الزام تسلیم کر لینے سے پہلے اس کی تحقیق کریں۔ صدیوں کے اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ہم قرآن مجید کے اس فرمان کو یکسر بھلا چکے ہیں کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس پر کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس نصیحت کا بھی ہمیں کوئی پاس نہیں رہا جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ جس طرح کوئی بات سُنے اُسے تحقیق کے بغیر دوسروں کی طرف منتقل کرتا رہے۔ ہمارے خطیبوں کی حالت یہ ہے کہ جس کے خلاف ان کے دل میں ذرا سی بھی نفرت اور عداوت ہوتی ہے اس پر جان بوجھ کر بدترین جھوٹے الزامات لگاتے چلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں اور ہمارے عوام کی حالت یہ ہے کہ کسی کے حق میں اچھی بات تو وہ بڑے تامل کے ساتھ قبول کرتے ہیں لیکن بُری بات قبول کرنے اور اسے آگے دوسروں تک پہنچانے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا خدا کا خوف دلوں سے نکل چکا ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو شاید کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ کبھی ان کو مرنا بھی ہے اور اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنی ان باتوں کی جواب دہی بھی کرنی ہے جو وہ زبان سے نکال رہے ہیں۔ اور جھوٹ سننے والے بھی اس بات کو بھول چکے ہیں کہ خدا کے ہاں زبانوں کے ساتھ کانوں کا بھی حساب لیا جانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا "بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب کے بارے میں جواب طلبی ہونی ہے" (بنی اسرائیل-۳۶)

الزام لگانے والوں نے مستقل طور پر یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ دوسرے شخص کی عبارتوں میں سے سیاق و سباق کو الگ کر کے کچھ فقرے اور الفاظ نکال لیتے ہیں اور ان کو اپنے مطلب کے معنی پہنا کر لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ ان کا الزام اس شخص کی فلاں تحریر سے ثابت ہو رہا ہے۔ حالانکہ اقتباس ایک ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص سیاق و سباق سے الگ کوئی ٹکڑا نکال لے تو انسانی کلام تو درکنار، اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی ایک ظالم یہ ثابت کر سکتا ہے کہ نماز کے قریب تک نہ پھٹکنا چاہیے۔ اس طرح کی بددیانتی تو کسی شریف آدمی کو بھی زیب نہیں دیتی، کجا کہ یہ کام وہ لوگ کریں جو مسندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کے مدعی ہیں اور جن کی زبانِ فیض ترجمان سے صبح و شام اسلامی تعلیمات کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔

کسی شخص کی کسی تحریر یا تقریر کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کے اہلِ علم میں چند اصول ہمیشہ مسلم رہے ہیں:-

ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے کسی ایک لفظ یا فقرے کو نہیں بلکہ اس کی پوری تحریر و تقریر کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے گا کہ مصنف یا مقرر کا اصل مدعا کیا ہے، اور بے لاگ طریقے سے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے قائم کی جائے گی کہ اس سیاق و سباق میں جو بات کہی گئی ہے اس سے کوئی ایسا مفہوم نکلتا بھی ہے یا نہیں جو قابلِ گرفت ہو؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مصنّف یا مقرر کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ اس کی فلاں عبارت، یا فلاں جملے یا لفظ پر یہ گرفت کی گئی ہے، اور اس نے خود اپنے مدعا کی ایسی توضیح کر دی ہو جس سے معلوم ہو جاتا ہو کہ اس کے قول کا مطلب وہ نہیں ہے جو الزام لگانے والے اس سے نکال رہے ہیں، تو اُس کی اپنی ہی توضیح کو تسلیم کیا جائے گا اور اس پر اصرار نہیں کیا جائے گا کہ اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو وہ خود بیان کر رہا ہے بلکہ وہ ہے جو الزام لگانے والے اس کے الفاظ سے نکال رہے ہیں۔

تیسرا اہم اصول یہ ہے کہ کسی خاص مسئلے میں اگر ایک مصنّف یا مقرر اپنے خیالات کا بارہا مختلف مواقع اور اوقات میں مفصل اظہار کر چکا ہو تو اُس مسئلے کے بارے میں اُس کا اصل عقیدہ وہ قرار دیا جائے گا جو اس کے تمام بیانات پر بحیثیتِ مجموعی نگاہ ڈالنے سے ظاہر ہو رہا ہو، نہ کہ وہ جو اس کے کسی ایک فقرے یا جملے سے نکالا جاتا ہو اور جو اس کے مجموعی بیانات سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ مثلاً ایک شخص ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اپنی تحریروں میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب بیان کرتا ہے، ان کے ایمان و عمل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی جاں نثاری کو انتہائی عقیدت کے ساتھ خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اسلام کے لیے ان کی بیش قیمت خدمات کا بار بار ذکر کرتا ہے اور ان کو سراہتا ہے۔ ان پر زبانِ طعن دراز کرنے والوں کے اعتراضات کا مدلّل جواب دیتا ہے۔ ان کے اِجماع کو حجت مانتا ہے۔ مسائلِ شرعیہ میں اقوالِ صحابہؓ سے استدلال کرتا ہے۔ اور برملا کہتا ہے کہ نوعِ انسانی کی تاریخ نے انبیاء کے بعد صحابہؓ سے زیادہ مقدس گروہ نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ ایسے شخص کی ان تمام تحریروں کو نظر انداز کر کے اس کی بعض تحریروں کے کچھ جملے اِدھر اُدھر سے نکال کر اس پر توہینِ صحابہؓ کا الزام لگا دینا صریح بے انصافی قرار پائے گا۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ جن مسائل یا معاملات میں صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، بعد کے ائمۂ اہلِ سنّت، اکابر محدثین و مفسرین، فقہاء اور متکلمین کے اقوال مختلف رہے ہیں، ان میں اگر کوئی شخص کسی ایک قول کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرتا ہے اور ان اکابرِ سلف کا حوالہ بھی دے دیتا ہے جن کے قول کو اس نے اختیار کیا ہے، اور وہ دلائل بھی بیان کر دیتا ہے جن کی بنا پر اس نے ان کے قول کو قبول کیا ہے، تو اس کی رائے کو علمی دلائل کے ساتھ غلط ثابت کرنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے، مگر اسے بدعقیدہ یا ضال اور مضل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگرچہ اس طرح کی زیادتیاں پہلے بھی کی جاتی رہی ہیں، حتیٰ کہ امام ابوحنیفہؒ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی کہنے والوں نے گمراہ کہہ دیا ہے، مگر اکابر اہلِ علم نے کبھی الزام دہی کے اس طریقے کو پسند نہیں کیا ہے۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ مفتی کو کسی شخص کے خلاف فتویٰ صادر کرنے سے پہلے اس کے عقیدے اور مسلک کی پوری تحقیق کر لینی چاہیے اور اس بات پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے سامنے شخصِ موصوف کی کسی تحریر کے کچھ اقتباسات پیش کر دیے گئے ہیں، یا اس کی کسی کتاب میں بعض جملوں پر نشان لگا کر صرف وہ جملے دکھا دیے گئے ہیں۔ اگر مفتی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث کے بارے میں اس شخص کے مسلک کی پوری تحقیق کرے تو فتویٰ جڑ دینا کوئی بہت ضروری کام نہیں ہے کہ جو کچھ مفتی کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے اسی پر فتویٰ دے ڈالا جائے اور اس بات کا کوئی خیال نہ کیا جائے کہ اگر فتویٰ فی الواقع غلط ہوا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مفتی سے باز پرس ہوگی۔

ہمیں سخت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے معاملے میں یہ سارے اصول توڑ ڈالے گئے ہیں۔ اول تو ان کی تحریریں پڑھے بغیر اور ان کے مدعا اور مفہوم کو سمجھے بغیر ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جاتی ہیں جن کا ان کی تحریروں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر ان پر اتہام تراشی کے لیے جو عبارتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ادھوری اور سیاق و سباق سے بالکل منقطع ہوتی ہیں بلکہ ان عبارتوں سے جو مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے پوری کتاب اس کی نہایت واضح تردید کرتی نظر آتی ہے۔ پھر اگر اس کوشش کے باوجود ان عبارتوں سے وہ مطلب نکلتا نظر نہیں آتا جسے وہ نکالنا چاہتے ہیں تو الفاظ کے اندر توڑ مروڑ کر کے دل پسند مطلب نکال لیا جاتا ہے اور اس کی پھر خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی بارہا کی تردید اور وضاحت کی طرف قطعاً کوئی توجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں دی جاتی۔ حد یہ ہے کہ ان کی ایسی تحریروں پر بھی الزام تراشیاں کی جاتی ہیں جن کا حوالہ انہوں نے اکابرِ سلف کی کتابوں سے دے دیا ہے۔ اِن لوگوں کے اس طرزِ عمل سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر صرف مولانا اور جماعت اسلامی کو بدنام کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے کوئی بد دیانتی کرنے میں بھی انہیں تامل نہیں ہے۔

کسی فرد یا گروہ کے خلاف یُوں تو کوئی بات بھی غلط منسوب کرنا سخت قابلِ مذمت فعل ہے۔ مگر کسی ایسی بات کا منسوب کرنا جس سے لوگوں کے جذبات اس کے خلاف مشتعل ہو جائیں اور عوام اس کے درپے آزار ہو جائیں، یہ ایک ایسا گھناؤنا طرزِ عمل ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ آخر ایک مسلمان پر اس سے زیادہ سنگین الزام کیا ہو سکتا ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرام اور ازواجِ مطہرات کی توہین کا مرتکب قرار دیا جائے؟ مسلمان تو اس ناپاک جسارت کے تصور سے خدا کی پناہ مانگتا ہے مگر جن لوگوں کے دلوں میں حسد اور کینے کی آگ سلگ رہی ہے وہ اس سراسر جھوٹے الزام کو برابر دُہراتے چلے جاتے ہیں اور بالکل نہیں سوچتے کہ آخر دنیا اور آخرت میں ان کی اس دروغ گوئی کا انجام کیا ہوگا؟ اور حکومت بھی اس بات پر ذرا غور نہیں کرتی کہ جب یہ الزام انتہائی اشتعال انگیز طریقہ سے دیہات و قصبات میں اور شہری عوام کے سامنے روزانہ جلسہ ہائے عام میں اور ہر جمعہ کو مسجدوں میں دُہرایا جاتا رہے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

حکومت اگر فی الحقیقت اس ملک میں قتل و غارت کو روکنا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فتنہ پردازی کا سدِ باب کرے اور اس نوعیت کے اشتعال انگیز الزامات لگانے والوں کا سختی سے محاسبہ کرے۔ ممکن ہے اربابِ حکومت اس قسم کے الزامات کی سنگینی اور خوفناک عواقب سے پوری طرح واقف نہ ہوں۔ مگر انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کے الزامات انتہائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ جس شخص پر یہ الزام عائد کیا جائے اس کے لیے اس سے بڑی رسوائی کوئی نہیں ہو سکتی اور پھر یہی چیز اس کے خلاف عوام کے زبردست اشتعال کا باعث بن کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پورے ملک کو آگ کی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ حکومت کو اس معاملے میں بڑے تدبر، جرأت اور عزم کا ثبوت دینا چاہیے۔

اس ضمن میں حکومت کو اس بات کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ ملک کے اندر جو سیاسی پارٹیاں کام کر رہی ہیں انہیں کسی ضابطۂ اخلاق کا عملاً پابند بنایا جائے۔ اس بارے میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ جو پارٹی کسی دوسری پارٹی پر یا اس کے لیڈر پر کوئی الزام لگاتی ہے اس الزام کے ثبوت کی ذمہ داری بھی اس پر عائد کی جائے اور اگر وہ الزام ثابت نہ کر سکے تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ اس وقت عملاً ہو یہ رہا ہے کہ جس کے جی میں جو آتا ہے بغیر کسی خوف کے کہتا چلا جاتا ہے اور جتنا کوئی شخص یا گروہ اخلاقی احساسات سے خالی ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ الزام تراشی کے معاملے میں بے لگام ہوتا ہے جس سے عوام کے ذہن ماؤف ہو جاتے ہیں اور وہ صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ نہیں کر پاتے۔ عوام کی سیاسی تربیت حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ جب تک ان کے اندر سیاسی شعور پیدا نہیں ہوتا وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی صحیح قدم نہیں اٹھا سکتے —— اس سیاسی تربیت کی ذمہ داری اگر ایک طرف حکومت پر عائد ہوتی ہے تو دوسری طرف سیاسی جماعتوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ ناجائز اتہام تراشی سے اجتناب کریں اور عوام میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش سے بچیں۔ حکومت کی ذمہ داری میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ ان لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرے جو عوام میں سنسنی پیدا کر کے ان کے افکار میں تلاطم اور جذبات میں اشتعال پیدا کرتے ہیں۔ اور اس تخریبی کام کو اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ سیاست بنیادی طور پر ایک شریفانہ اجتماعی ذمہ داری کا نام ہے اس لیے جو لوگ اس کام کو اخلاقی ذمہ داریوں کے ساتھ انجام دیتے ہیں حکومت کو ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنی چاہییں تاکہ ملک میں صحت مند سرگرمیاں ابھر سکیں۔ اور اسی طرح حکومت کو ان سرپھیرے سیاستدانوں کی راہ روک دینی چاہیے جو سیاست کے اندر غیر صحت مند رجحانات اور تخریب پسندانہ کارروائیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ سیاسی زندگی میں یوں بھی بڑا جوش اور ولولہ ہوتا ہے اگر اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذرا سا بھی توازن بگڑ جائے تو یہ سارا جوش اور ولولہ نہایت خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا میں آج تک قومی سطح پر جو فسادات ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر دخل اس قسم کے غیر ذمہ دار سیاستدانوں اور مقررین کا ہے جو گھر پھونک تماشا دیکھنے کے عادی ہیں، غلط سلط باتیں کر کے عوام کو بھڑکا دیتے ہیں اور وہ بیچارے ناسمجھی کے عالم میں مختلف گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے پر پل پڑتے ہیں۔

ہماری حکومت کو اس مرحلہ پر پوری سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ جو لوگ کھلے بندوں خانہ جنگی اور قتل و غارت کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں میں برملا اس عزم کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اگر انتخابات کے نتائج ان کی خواہش کے مطابق برآمد نہ ہوئے یا ملک کے مستقبل کی تعمیر کا نقشہ ان کی مرضی کے مطابق نہ بنا تو وہ اس ملک کو دوسرا ویت نام بنا دیں گے۔ کیا وہ کبھی اس ملک کے خیر اندیش ہو سکتے ہیں؟ اور کیا ان کی باتوں سے اغماض برتنا ملک کو آگ اور خون کے سمندر میں پھینکنے کے مترادف نہیں؟

ممکن ہے حکومت ان لوگوں کی ان شعلہ بیانیوں کو محض مجذوب کی بڑ سمجھ کر انہیں کوئی اہمیت نہ دے۔ مگر یہ صورتِ حال کا نہایت ہی غلط اندازہ ہے۔ اس طرح کی اشتعال انگیز باتیں عوام کے اندر تشدد کے جذبات پیدا کر دیتی ہیں اور وہ پھر کسی مسئلہ کو بھی تدبر کے ساتھ حل کرنے کے بجائے ہمیشہ اندھی بہری قوت کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان غلط باتوں کے نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پوری قوم خصوصاً نوجوان نسلوں کے ہوش پر جوش غالب ہے اور وہ چھین جھپٹ اور مرنے مارنے ہی میں اپنی اور اپنے ملک کی فلاح ڈھونڈ رہی ہیں۔ یہ صورتِ حال بڑی ہی تشویشناک ہے جس پر حکومت اور عوام اور خود ان لیڈروں کو جنہوں نے اپنی مقصد برآری کی خاطر اسے پیدا کیا ہے بڑے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ نوجوانوں کا یہ تخریب پسندانہ جذباتی طرزِ عمل ہمارے ملک کو کس قسم کی مشکلات میں گرفتار کر دیگا اور اس سے ملک کی معیشت، معاشرت اور قوت کس طرح تباہ ہوگی۔ ملک کے اندر خانہ جنگی کی آگ بھڑکا دینا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ہر دیوانہ جو

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

© rasailojaraid.com